بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان بے حد رحم والا ہے

IN THE NAME OF ALLAH, MOST GRACIOUS, MOST MERCIFUL

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن پاک کی آیت ہے بسم اللہ کی فضیلت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم میں اور اس میں اس قدر نزدیکی ہے جیسے آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں ہے"۔ ابن مردویہ میں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ فرمایا "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معلم نے ب سے بہا یعنی بلندی، س سے سنا یعنی نور اور م سے مملکت یعنی بادشاہی۔ اللہ یعنی معبود حقیقی، رحمٰن دنیا و آخرت میں رحمت کرنے والے اور رحیم آخرت میں رحم و کرم کرنے والا کو کہتے ہیں"۔ نیز فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "مجھ پر ایک ایسی آیت اتری ہے جو سوائے حضرت سلیمان علیہ السلام کے کسی اور نبی پر نہیں اتری وہ ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "یہ پروردگار عالم نے اپنی عزت و جلال کی قسم کے ساتھ فرمایا کہ جس چیز پر میرا یہ نام لیا جائے گا اس میں ضرور برکت ہوگی"۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے انیس حروف ہیں جس کے پڑھنے سے جہنم کے انیس داروغوں سے بچا جا سکتا ہے"۔ فرمایا "جس کام کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے اس میں برکت نہیں ہوتی"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے نزول کے بعد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ذریعہ سورتوں کے درمیان فرق کیا کرتے تھے"۔ (بحوالہ ابن کثیر)

۴۔ الرحمٰن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

قرآن حکیم میں خاص لفظ اسم ۱۹ مرتبہ آیا ہے۔ اسم اعظم اللّٰہ ۹۸۰ مرتبہ، الرحمٰن ۵۷ مرتبہ اور الرحیم ۹۵ بار آیا ہے۔

جب الحمد میں بسم اللہ داخل ہوئی تو اس حالت میں ساتویں آیت صراط الذین سے آخر تک ہے اور اگر بسم اللہ کو داخل نہ کیا جائے تو ساتویں آیت غیر المغضوب سے تا آخر ہے (بحوالہ جلالین التفسیر) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن پاک کی آیت ہے ہر مباح کام بسم اللہ سے شروع کرنا مستحب ہے ناجائز کام پر بسم اللہ پڑھنا ممنوع ہے (حاشیہ کنز الایمان) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، جو بسم اللہ ہر سورت کے اول میں ہے یہ پوری آیت ہے اور جو سورہ نمل میں ہے وہ آیت کا جزو۔ خیال رہے کہ بسم اللہ ہر سورۃ کے اول نازل نہیں ہوئی بلکہ ایک دفعہ نازل ہوئی پھر وہ بار بار کر دی گئی تاکہ سورتوں میں فاصلہ ہو جائے اسی لئے بسم اللہ سورۃ کے اوپر امتیازی شان میں لکھی جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بلقیس کو خط لکھا تو اول بسم اللہ لکھی اس کی برکت سے بلقیس ملکہ و ملک بھی ملا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کی تحریر بسم اللہ سے شروع کی تو آپ کو فتح مکہ عطا ہوئی۔ (تفسیر نور العرفان) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کام حمد الٰہی سے شروع نہیں کیا گیا تو اس میں کامیابی نہیں"۔ بعض روایتوں میں الحمد کی جگہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے ۔ گویا یوں فرمایا گیا کہ ہر کام کو بسم اللہ سے شروع کیا جائے ۔ مومن کے خصائص و امتیازات میں اہم چیز یہی ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کے نام سے کرتا ہے اور اسی سے زندگی کا ہر شعبہ کو شروع کرکے اپنے تئیں صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص کر دیتا ہے ۔ بعض ائمہ حدیث و فقہ کے نزدیک وضو کرنے سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے ۔ انبیاء کرام نے بھی اپنے اعمال ہمیشہ بسم اللہ سے ہی شروع کیا ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی پر قدم رکھا تو فرمایا بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو خط لکھا تو اسی سے شروع کیا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام کاموں کو اسی سے شروع کرتے تھے ۔ اس کے اول نزول کے بارے میں عکرمہ اور حسن کے قول کو امام واحدی نے نقل کیا ہے کہ " سب سے پہلے جو قرآن سے اتری وہ چیز " بسم اللہ الرحمٰن الرحیم " ہے جبکہ بخاری و مسلم میں اقرأ باسم ربک اور یاایھا المدثر سے متعلق تصریحات ملتی ہیں ۔ ایک روایت ابو میسرہ سے سورہ فاتحہ کے متعلق بھی ملتی ہے ۔ (ترجمان القرآن)

اسلامی آداب میں شریعت میں بسم اللہ الخ کو اہم مقام حاصل ہے ۔ تفسیر القرطبی میں ہے کہ فرمایا " دروازہ بند کرو تو اللہ کا نام لیا کرو دیا بجھاؤ تو اللہ کا نام لیا کرو اپنے برتن ڈھانپو تو اللہ کا نام لیا کرو ۔ اپنے مشکیزہ کا منہ باندھو تو اللہ کا نام لیا کرو " انسان کو ہر وقت ہر کام کرنے اپنے کارساز حقیقی کا نام لینے کا عادی ہو جانا ہے تا کہ مشکلیں آسان اور اللہ کی تائید و نصرت پر توکل پختہ ہو جائے اللہ معبود حقیقی کا اسم ذاتی ہے یہ ذات باری کے علاوہ کسی کے لئے استعمال نہیں ہوتا ۔ رحمٰن و رحیم کا ماخذ رحمت ہے (ضیاء القرآن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے متعلق انگریزی تفاسیر میں ہے

Opinion is divided whether the Bismillah should be numbered as a separate verse or not. It is unanimously agreed that it is a part of Quran in Sura An-Naml. Therefore it is better to give it an independent number in the first Sura. For subsequent Suras it is treated as an introduction or head-line, and therefore not numbered.

The Arabic words "Rahman" and "Rahim" translated "Most Gracious" and "Most Merciful" are both intensive form referring to different aspects of Allah's attribute of mercy.

لغوی اشارے * ب : میں ۔ سے ۔ پر ۔ ساتھ ۔ بسبب ۔ کو ، ادوالعماد لکھتے ہیں کہ باء ہی وہ حرف ہے جو سب سے پہلے نطق انسانی میں آیا اور انسان کی زبان کھلنے کی ابتدا اسی سے ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سے اپنی کتاب کا آغاز اور اپنے کلام و خطاب کی ابتدا فرما کر اس کے مرتبہ کو بلند اور اس کی شان کو اعلیٰ اور اس کی برہان کو ظاہر کر دیا ۔ یہ حرف جارہ ہے جس کی وضع اسی لئے عمل میں آئی ہے کہ افعال کے معانی کو اسماء تک پہنچا دیا جائے (لغوی کلیات / ادوالعماد) • اسم : نام ۔ جس سے کسی کی ذات معلوم کی جا سکے •

اَل : وہ سبب ، حرف تعریف ہے نکرہ کو معرفہ بنانے کے لئے آتا ہے ۔ اس کی دو قسمیں ہیں عہدیہ اور جنسیہ عہدیہ وہ جس سے کسی شے معہود کی طرف اشارہ کیا جائے خواہ وہ معہود ذہنی ہو یا معہود خارجی ۔

اور جنسیہ کبھی تو حقیقیہ ہوتا ہے یعنی حقیقت جنس پر دلالت کرتا ہے اور کبھی استغراقیہ یعنی ہر فرد جنس پر عمومیت کے ساتھ دلالت کرتا ہے الف لام جب اسم جنس پر آتا ہے تو اس کو معرفہ کر دیتا ہے یہ کبھی کبھی بعض اعلام پر بھی آتا ہے • رحمٰن : بڑا مہربان ، بہت بخشش کرنے والا ، چونکہ اس لفظ کے معنی بجز ذات باری کے اور کسی پر صادق نہیں آتے کیونکہ اسی کی رحمت سب پر عام ہے اس لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے لئے اس لفظ کا استعمال نہیں ہوتا ۔ علماء عربیت کا اس میں اختلاف ہے کہ "رحمٰن" عربی زبان کا لفظ ہے یا نہیں اور عربی ہونے کی صورت میں یہ مشتق ہے یا غیر مشتق ۔ مبرد اور ثعلب جو لغت عربیت کے امام ہیں اس طرف گئے ہیں کہ یہ عبرانی لفظ ہے اور اس کی اصل خاء معجمہ سے ہے

• رحمٰن کی تفسیر اور اس کے معنی میں نیز اس میں کہ وہ رحمت سے مشتق ہے یا نہیں لوگوں کا اختلاف ہے

• جو لوگ رحمٰن کو رحمت سے مشتق مانتے ہیں وہ رحمٰن و رحیم میں نہایت دقیق اور نازک فرق بیان کرتے ہیں

• رحیم : بڑا مہربان ، نہایت رحمت والا ۔ رَحْمَةٌ سے بروزن فعیل مبالغہ کا صیغہ ۔ رُحَمَاءُ جمع رحیم اسماء حسنیٰ میں سے ہے اس کا استعمال غیر کے لئے بھی ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید میں رؤوف رحیم فرمایا گیا ہے ۔ ابن مبارک کہتے ہیں رحمٰن وہ ذات ہے جب اس سے مانگا جائے تو عطا فرمائے اور رحیم وہ ذات کہ اس سے نہ مانگا جائے تو غضب میں آئے (لغات القرآن / نعمانی)

تفسیری اشارے * "بسم اللہ" ایک آیت شریفہ ہے ۔ کسی بھی سورت کا حصہ نہیں اس میں حکمت الٰہی یہ ہے کہ سورتوں میں فرق بتلایا جائے * ہر کام کے شروع میں پڑھنا باعث برکت ہے * یہ قرآن پاک کی کنجی ہے یہ وہ پہلا کلمہ ہے جو سیدنا آدم علیہ السلام پر نازل ہوا * اہل ایمان کو ہر کام کی ابتداء "بسم اللہ" سے کرنے کا حکم ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام عالموں کا پروردگار ہے

یہ سورہ فاتحہ کی آیت جلیلہ ہے۔ سورہ فاتحہ مکی ہے اس بارے میں خود قرآن حکیم میں دلیل موجود ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورۃ ہے جیسا کہ سورہ حجر میں فرمایا گیا "اور بلاشبہ ہم نے آپ کو سات چیزیں دیں بار بار دہرائی جانے والی اور قرآن عظیم" (ق سورۃ ۱۵ آیت ۸۷) احادیث و آثار سے ثابت ہوا کہ یہ سات چیزیں سورۃ فاتحہ کی آیات شریفہ ہیں اور یہ آیات ہر نماز میں بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ اسی لئے "مثانی" فرمایا گیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علاوہ متعدد مفسرین علماء کے ارشادات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ سورہ فاتحہ میں ایک رکوع سات آیتیں، پچیس الفاظ ہیں اور حروف کی تعداد ۱۴۳ ہے۔ سورہ فاتحہ کو ام الکتاب یعنی تمام قرآن حکیم کے حقائق و معارف کا ماخذ و معدن کہا جاتا ہے۔ فاتحہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ قرآن حکیم کے آغاز اور رحمت کے دروازے کو کھولنے والی سورہ ہے۔ کتاب اللہ کے اسرار و حقائق کی کنجی ہونے کے باعث اس سورۃ کو فاتحۃ الکتاب سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ ہر قسم کے ظاہری و باطنی امراض کے لئے شفاء رکھتا ہے اس وجہ سے اس کے اسماء میں الشفاء بھی ہے جیسا کہ اوپر کہا گیا سبع مثانی بھی اس سورۃ کا نام ہے یعنی سات آیتیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ بہ اعتبار فضیلت سورہ فاتحہ قرآن حکیم کی سب سے بڑی آیت ہے۔ اور یہ قرآن کی پہلی سورت ہے جو سات آیات کا مجموعہ ہے اور ہمیشہ نماز میں پڑھی جانے والی سورت ہے۔ اس میں قرآن حکیم کے تمام مطالب و مقاصد کو اجمالاً یکجا کر دیا گیا ہے۔ یہ معانی و حقائق کے اعتبار سے نہایت جامع سورت ہے۔ اس میں توحید، اعمال انسانی کی مسئولیت اور نتائج آخرت کی فوز و فلاح کا راستہ اور ان پر ثابت قدم رہنے کی تمنا بھی ہے اور ہر ہر مرحلہ پر اللہ تعالیٰ سے دعا و استعانت طلبی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعتراف اور اپنے عجز و انکسار کا بندہ کی طرف سے اظہار ہے گو سورہ فاتحہ کی عظمتیں، برکات، فیضان، پاکی، اثر، رحمت، رفعت و تقدس کا احاطہ انسانی بس سے باہر ہے یہ کلام حق ہے۔ جو محبوب رب العالمین پر نازل ہوا۔ یہی ایک بات اس کی جلالت شان کو سمجھنے کے لئے بہت ہے۔ (عارف)

الحمد للہ سارے قاری اَلْحَمْدُ کو دال کے پیش سے پڑھتے ہیں اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کو مبتدا خبر مانتے ہیں ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ الحمد للہ کے معنی یہ ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ کا شکر (تعریف) ہے اس کے سوا کوئی اس کے لائق نہیں خواہ وہ مخلوق سے کوئی ہو۔ تمام نعمتیں جو ہم گن بھی نہیں سکتے اور سوا اس مالک کے کوئی ان کی تعداد کو نہیں جانتا اسی کی طرف سے ہیں۔ اسی نے اپنی اطاعت کرنے کے تمام اسباب ہمیں عطا فرمادیے

مبدا پہ مخلوق کا

شدید ہو یا بے جا

جس نے نشیب و فراز یہ روئے زمین کے تمام جسمانی نعمتیں عطا کیں پھر دنیوی نعمتیں اور زندگی کی تمام ضروریات کی تکمیل کے بغیر ہمیں بنا دیں۔ صفت کی نعمتوں کا حصول کا طریقہ سکھا دیا ہے۔ اول و آخر اسی مالک کی پاک ذات ہر طرح کی تعریف اور حمد و شکر کے لائق ہے۔ الحمدللہ یہ ثناء کا کلمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ ناموں اور بلند و بالا صفات سے اس کی ثنا کرتا ہے (ابن کثیر) حمد عربی میں ثناء جمیل کو کہتے ہیں یعنی اچھی ثناء جو کچھ ہے اور جیسا کچھ کیا جا سکتا ہے وہ سب اللہ کے لئے ہے۔ الحمدللہ کا اقرار اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ کائنات ہستی کا تمام حسن و جمال خواہ کسی نوعیت اور کسی شکل میں ہو صرف ایک صانع حقیقی کی صنعتوں ہی کا ظہور ہے۔ بنابر اخلاق و کمال کے لئے حسن کی جو صفت ظہور میں آتی ہے ستائش و شیفتگی کا جذبہ ناگزیر ہے اور اعتراف ہوتا ہے صانع و خالق کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ کا لفظ ہمیشہ سے عربی میں اسم ذات مستعمل رہا ہے۔ اور تمام صفات اسی کی طرف منسوب کی جاتی تھیں یہی قرآن حکیم نے بھی اسم ذات کے لئے اسی لفظ کو اختیار فرمایا اور تمام صفتوں کو اسی کی طرف نسبت دی (ترجمان القرآن) رب العالمین رب مصدر ہے اس کا معنی ہے تربیت۔ تربیت عربی میں کسی چیز کو اس کی ازلی استعداد اور فطری صلاحیت کے مطابق تدریجی طور پر مرتبہ کمال کو پہنچانا کے معنوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں اعلیٰ ترین تربیت ہے اس لئے حمد کے فوراً بعد اس کا ذکر فرمایا گیا عالمین عالم کی جمع ہے اور یہ ماخوذ ہے علم بمعنی علامت و نشانی سے کیونکہ ہر چیز اپنے پیدا کرنے والے کا پتہ دیتی ہے۔ اللہ کسی خاص قوم نسل وطن کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اس کی ربوبیت کا رشتہ کائنات کی ہر شے کے ساتھ یکساں ہے اور اس کے لطف و احسان کے سبھی مساوی طور پر حقدار ہیں (ضیاء القرآن) رب مالک، سردار، اصلاح کنندہ، پالنے والا، پروردگار اور ان سب کے معنوں میں آتا ہے۔ "رب" الٰہ کی طرح سامی زبانوں کا ایک کثیر الاستعمال مادہ ہے عبرانی سریانی اور عربی تینوں زبانوں میں اس کے معنی پالنے کے ہیں معلم، استاد اور آقا کسی نہ کسی اعتبار سے پرورش کرنے والے ہی ہوتے ہیں اس لئے اس کا اطلاق ان معنوں میں بھی ہونے لگا۔ بہرحال عربی میں ربوبیت کے معنی پالنے کے ہیں۔ کائنات کے تمام اعمال و دوائر کا اس طرح واقع ہونا کہ ہر چیز پرورش کرنے والی اور ہر تاثیر زندگی بخشنے والی ہو اور پھر ایک ایسے نظام ربوبیت کا موجود ہونا جو ہر حالت کی رعایت کرتا اور ہر طرح کی مناسبت ملحوظ رکھتا ہے بہ ارشاد کرتا ہے وجدان انسانی بہ یقین دلا دیتا ہے کہ ایک پروردگار عالم ہستی موجود ہے اور وہ ان تمام صفتوں سے متصف ہے جن کے بغیر ایسی ربوبیت کا یہ عمل اور یہ بے عیب کارخانہ وجود ہی میں نہیں آ سکتا تھا۔ (ترجمان القرآن)

لغوی اشارے ★ حمد: تعریف، خوبی۔ اللہ تعالیٰ کی فضیلت اور ثناء کو حمد کہتے ہیں۔ یہ مدح سے خاص ہے اور شکر سے عام ہے کیونکہ مدح ان افعال پر بھی ہوتی ہے جو انسان سے اس کے اپنے اختیار سے سرزد ہوتے ہیں اور ان اوصاف پر جو بہ تسخیر الٰہی اس میں موجود ہیں جیسا کہ جس طرح انسان کی مدح طول قامت اور رخ صبیح پر ہوتی ہے اسی طرح مال کے خرچ کرنے اور سخاوت و حصول علم پر بھی ہوتی ہے اور حمد صرف ان امور پر ہی ہوتی ہے جو بہ تسخیر الٰہی ہوں اور شکر وہ ہے جو نعمت کے مقابلہ میں ہو پس ہر شکر حمد ہے اور ہر حمد شکر نہیں ہے اور ہر حمد مدح ہے لیکن ہر مدح حمد نہیں ہے (ل ق)
الحمد بمعنی حمد کامل اور حمد کامل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد خود فرمائی یا وہ جو انبیاء علیہم السلام کی زبان سے نکلی ★ رب بمعنی تربیت و اصلاح۔ عالمین کے حق میں یہ ہے کہ ان کی تربیت کی غذا اور ان کے وجود کو باقی رکھنے کے تمام اسباب تیار فرمائے ★ بسم اللہ شریف میں جن دو رحمتوں کا ذکر تھا وہ رحمتیں ذاتی تھیں۔ اور سورہ فاتحہ میں دو رحمتیں صفاتیہ کمالیہ کا بیان ہو رہا ہے۔ بسم اللہ شریف سورہ فاتحہ کا جز نہیں

★ : پروردگار، مالک، صاحب۔ اصل میں رَبٌّ "رَبُوبٌ" کا مصدر ہے جس کے معنی تربیت کے ہیں ★
: (سارے) جہان، (تمام) عالم عالَم کی جمع بحالت نصب و جر، اللہ تعالیٰ کے سوا سب مخلوقات کو عالم کہتے ہیں ★ لفظ رحمٰن باری تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے ★ رحیم اسماء حسنیٰ میں سے اس کا استعمال غیر کے لئے بھی ہوتا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید میں رؤف رحیم فرمایا گیا ہے

تفہیم و توضیح ★ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "وہ دعا رد نہیں ہوتی جس کے اول میں بسم اللہ شریف ہو" (رواہ ابن [illegible])
الرحمٰن: رحمت لغت میں رقت یعنی نرمی قلب اور انعطاف کو یعنی کسی پر مہربان کرنے کو کہتے ہیں اس سے فضل و احسان مراد ہے۔
الرحیم یعنی وہ راحم جس سے سوال کیا جائے تو عنایت کرے اور جس سے طلب نہ کیا جائے تو خفا ہو جائے
حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک سو رحمتیں ہیں

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۭ

بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا مالک ہے روز جزا کا

رحمٰن و رحیم یہ دونوں نام رحمت سے مشتق ہیں۔ دونوں ہی مبالغہ ہے۔ رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے میں رحمٰن ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے ناموں سے اس کا نام مشتق کیا۔ اسے ملانے والے کو میں ملاؤں گا اور اسے توڑنے والے کو میں کاٹ دوں گا۔ (ترمذی) علامہ قرطبیؒ کا کہنا ہے کہ رحمٰن اور رحیم کے ایک ہی معنی ہیں۔ ابو علی فارسی کہتے ہیں کہ رحمٰن اسم عام ہے جو ہر قسم کی رحمتوں کو شامل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور رحیم بہ اعتبار مومنین کے ہے فرماتا ہے وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا مومنوں کے ساتھ رحیم ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں نام رحمت والے ہیں ایک میں دوسرے سے زیادہ رحمت ہے۔ حضرت ابن المبارکؒ کا فرمان ہے کہ رحمٰن اسے کہتے ہیں کہ جب اس سے مانگا جائے عطا فرمائے اور رحیم وہ ہے کہ جب اس سے نہ مانگا جائے تو غضبناک ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔ (ترمذی) تفسیر ابن جریر میں ہے رحمٰن، فعلان کے وزن پر رحمت سے ماخوذ اور کلام عرب میں ہے۔ وہ خدا رفیق اور شفیق جس پر رحم کرنا چاہے اور جس سے غضب ہو اس سے بہت دور اور اس پر بہت سخت گیر ہو اور یہ اسم صرف اسی کا نام ہے۔ حسنؒ فرماتے ہیں رحمٰن کا نام دوسروں کے لئے منع ہے خود اللہ تعالیٰ نے اس نام سے پکارا کہ اس نام کا کوئی حقدار نہیں (ابن کثیر) مالک یوم الدین روز جزا کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ صرف یوم جزا کا مالک ہے بلکہ حقیقتاً وہ ہر شے کا مالک رحمٰن رحیم کیونکہ قبل ازیں رب العالمین ہونا واضح ہو چکا ہے جس میں دنیا و آخرت دونوں ہی شامل ہیں۔ تخصیص یوم الدین کا سبب یہ بات ظاہر فرمانا ہے کہ اس دن کسی کو بھی کسی قسم کی ملکیت کا دعویٰ نہ ہوگا۔ بلکہ بغیر اس کی اجازت کے کوئی حرکت نہ کر سکے گا اور نہ زبان ہلا سکے گا جب تک کہ رحمٰن اجازت نہ دے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس دن اس کی بادشاہت میں کوئی اس کے سوا نہ ہوگا۔ یوم الدین مخلوق کے حساب کا دن یعنی قیامت کا دن ہے۔ دین کے معنی بدلے جزا اور حساب کے ہیں۔ اس دن اللہ تعالیٰ پورا بدلہ دے گا۔ اس دن اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز کوئی بات ہمیشہ کی طرح چھپی نہ رہے گی۔ ([illegible]) ثواب و عذاب معدوم نہیں بلکہ مخلوق کے اعمال کی جزا و سزا ہے۔ ملکیت مطلق کے اظہار کا مقصد بندوں کو آگاہ کر دینا ہے کہ تمہاری ہر چیز تمہاری عقل و شعور [illegible] کی تمیز اور اعمال کے نتائج کو یاد رکھیں [illegible] کر دی گئی [illegible] زندگی ہو جب کہ [illegible] دنیا میں [illegible] کے [illegible] وہ رحمٰن و رحیم کے ساتھ عادل بھی ہے۔ اس کا عدل پورا پورا [illegible] اعمال کے لحاظ سے سزا و جزا عطا کرے گا۔ کیونکہ اس کی صفت ربوبیت و رحمت کے ساتھ عدل کا تعلق ہے جیسا کہ اس کی تمام صفات کا [illegible]

یقیناً اس مالک و مختار خالق و رب کا عدل اس کی رحمت ہی کا دوسرا رخ ہے۔ عدل حقیقی کی خوبیوں اور ان کا استحکام کرنے
لازم ہے اس سے تخریب زیاں اور نقصوں کا ازالہ ہوتا ہے۔ عدل حقیقی ہر ادھورے پن کا ہم ہموار ضامن اور مکمل ہی
اعتدال و توازن دیکھنے لئے جو حسن ترتیب اگر ہے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتا ہے کہ محض عدل کے بالمقابل ہی حسن
و خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ (ترجمان القرآن) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ تمام مخلوقات کا مالک ہونے
کا مطلب یہی ہے کہ اس کی مطلق ملکیت سے آگاہ کرنا مقصود ہے۔ تاہم بتدریج اس کی ملکیت کے سلسلہ میں انسان کو
کوئی اختیار اور ملکی چیزوں سے منسوب رہ جاتا ہے۔ اسی طرح کچھ اشیاء ایسی ہیں جیسے شرعی حکم کا ...
مگر بعد میں ان کو تحلیل اور ... چیزوں سے منسوب رہ جاتا ہے جیسے کہ رب کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ
(تفہیم القرآن) رحمٰن اور رحیم کے ساتھ اس کا عادل ہونا بیان ہوتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ
ہر ایک کو اس کے عمل کا ثمرہ ملے گا۔ اس عمل سے خالق کی رحمت بھی جھلکتی ہے اور تمام انسانوں کا
دل دہلا دینے والی وعید بھی ہے۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

بزرگ مفسرین کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید کے تمام اسرار و رموز سورہ فاتحہ میں ہیں اور سورہ فاتحہ کا راز اس آیۃ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں ہے۔ آیت شریفہ کا پہلا حصہ معبودان باطل کی نفی یعنی شرک سے بیزاری و بیزاری کا اور دوسرا حصہ اپنی قوت و طاقت کی نفی اور اللہ تعالیٰ ہی سے اپنی تمام حاجات کی تکمیل کی طلب صادق کا اظہار ہے۔ مفسرین کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بندہ اللہ تعالیٰ سے معروضہ ادب کے ساتھ خطاب کرتا ہے جو الفت و مناسبت رکھتا ہے۔ یہ اس لئے ہوا کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہے تو گویا بارگاہ ذوالجلال میں حاضری سے مشرف ہو جاتا ہے جیسا کہ سورہ فاتحہ کی ابتدائی آیات میں حمد و ثنا تعریف و توصیف خداوندی بیان ہوئے ہیں اپنے خالق و مالک سے یہ عرض کرنے کا موقع ملتا کہ بندہ کی عبادت خاص اس کے لئے ہیں اور اس کی بارگاہ بے نیاز سے وہ اپنی ہر تمنا اور ضرورت کے لئے رجوع ہوتا ہے۔ عبادت انسانی عجز اور فروتنی (درماندگی) کا نام ہے۔ سجدہ سے عبادت کی مثال دی جاتی ہے جس میں بندہ کمال فروتنی کا اظہار کرتا ہے۔ سجدہ کے ساتھ حالت نماز میں تمام حرکات و سکنات عبادت ہیں اور یہ حالت خضوع کے ساتھ اس یقین کا مظہر ہوتا ہے کہ بندہ صرف اللہ کو معبود حقیقی مانتا ہے اور اس حقیقت پر کامل ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا کوئی دوسری چیز ایسی نہیں جس کی عبادت شرعاً اور عقلاً درست ہو۔ مفسرین کرام نے ایاک کو مقدم کرنے میں حصر و تخصیص کے علاوہ دیگر لطائف بھی بیان کئے ہیں۔ آگے بندہ کا عرض کرنا ہے کہ اے معبود حقیقی اے اللہ جیسے ہم تیری عبادت کرتے ہیں اسی طرح مدد بھی صرف تجھی سے طلب کرتے ہیں تو ہی کارساز حقیقی اور مالک حقیقی ہے ہر کام اور ہر حاجت میں تجھ سے رجوع کرتے ہیں تیرے سامنے ہی دست سوال دراز کرتے ہیں۔ اس حقیقت سے بھی اہل ایمان واقفیت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کی حاجات و دعاؤں کو شرف قبولیت بخشے گا۔ حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرا بندہ مجھ سے مانگے گا تو میں ضرور اس کا سوال پورا کروں گا۔ (بخاری) اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں اپنی صفات عالیہ پر خود اپنی ثنا فرمائی اور بندوں کو انہی الفاظ میں اپنی ثنا بیان کرنے کا حکم فرمایا۔ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس شخص کی نماز نماز نہیں ہوتی جو نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے (صحیحین) مسلم شریف میں ایک اور روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ دو حصوں میں ہے ایک اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا حصہ ہے اور دوسرا بندہ کے لئے ہے کہ جس میں وہ اپنی حاجت و ضرورت عرض کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے طلب کرتا ہے۔ جب بندہ ایاک نعبد و ایاک نستعین [illegible]

خالق اکبر ارشاد فرماتا ہے۔ میرے بندے کے لئے وہ سب جو مانگے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایاک نعبد
کے معنی یہ ہیں کہ اے ہمارے رب ہم خاص تیری ہی توحید مانتے ہیں اور تجھ سے ڈرتے ہیں اور تیری ہی ذات
سے امید رکھتے ہیں تیرے سوا کسی اور کی نہ تو ہم عبادت کریں نہ ڈریں نہ امید رکھیں اور ایاک نستعین
سے مراد یہ ہے کہ ہم تیری ہی تمام اطاعت پر اور اپنے تمام کاموں پر تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ قتادہ
فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم سب خالص اسی کی عبادت کرو اور اپنے تمام
کاموں میں اسی سے مدد مانگو۔ ایاک نعبد کو پہلے لانا اس لئے ہے کہ اصل مقصود خداوند تعالیٰ کی عبادت
ہی ہے اور مدد طلب کرنا یہ عبادت کا وسیلہ اور اہتمام اور اس پر تکمیل ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ زیادہ
اہمیت والی چیز کو آگے کیا جاتا ہے اور اس سے کم کو اس کے بعد لایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ

چلا ہم کو سیدھے راستہ پر

ہدایت کے معنی لطف و عنایت سے کسی کو منزل مقصود تک پہنچا دینے کے ہیں۔ صراط مستقیم وہ کہ جس پر چل کر منزل مقصود تک پہنچ سکیں اس کی صفت استقامت میں تو یہ بات کہی گئی۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ یعنی خدا اور رسول کی اطاعت و فرمانبرداری۔ ایک مرفوع حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ صراط المستقیم کتاب اللہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اھدنا الصراط المستقیم کے معنی یہ دعا کرنا ہے کہ ہمیں ہدایت والے راستہ کا الہام فرما اور دین کی فہم عطا فرما جس میں کجی نہیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اسلام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صراط المستقیم کی اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ اس کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں ان میں کئی ایک دروازے کھلے ہوئے ہیں اور دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں۔ صراط المستقیم کے دروازے پر منادی مقرر ہے جو کہتا ہے کہ سیدھی راہ پر چلے آؤ تم ٹیڑھی راہوں پر نہ لگو۔ جو کوئی ان دروازوں کو کھولنا چاہتا ہے تو اوپر والا منادی کہتا ہے کہ خبردار اسے نہ کھولنا اگر کھولا تو اسی راستے پر لگ جائے گا صراط المستقیم سے ہٹ جائے گا۔ کھلے ہوئے دروازے اللہ کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں اور دروازے کا منادی قرآن ہے۔ اور اوپر کا منادی خوف الٰہی ہے جو ہر ایماندار کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور واعظ مقرر ہوتا ہے۔ (ترمذی و نسائی) حضرت عبداللہ فرماتے ہیں صراط المستقیم وہ ہے جس پر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مومن کو تو خدا کی طرف سے ہدایت حاصل ہو چکی ہے پھر نماز میں اسے مانگنا یا پھر ہدایت مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ تو اس کا جواب ہدایت پر ثابت قدمی، رسوخ، بینائی اور ہمیشگی کی طلب ہے کیونکہ بندہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ وہ خود اپنی جان کے نفع و نقصان کا ذمہ دار نہیں۔ (ابن کثیر) سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اعتراف پھر اس کے انعامات و احسانات کا ذکر کرتے ہوئے بندہ اپنی محتاجی بے بسی مجبوری و کمزوری کا اظہار کرتے ہوئے درخواست کرتا ہے کہ تو اپنا فضل و کرم سے ہم پر عنایت فرما اور سیدھے راستے کی ہدایت عطا کر اور اپنی خوشنودی کی منزل مقصود پر پہنچا دے۔ اس میں اھدنا سکھایا ہے کہ بندہ یہ طلب صرف اپنے لئے نہیں کر رہا ہے بلکہ پوری امت کے لئے دعا کرتا ہے کہ ہم سب کو سیدھے راستے پر چلا۔ ہدایت کے مدارج بے شمار ہیں۔ ہر ایک سے ایک بلند و ارفع ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے موجودہ مقام سے قرب و ہدایت کا ذریعہ ارفع و اعلیٰ مقام تک پہنچا دے اور ہر قسم کی لغزش شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھے۔ (ضیاء القرآن)

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

راستہ ان کا جن پر تو نے انعام فرمایا (۱)

"یہ آیت شریفہ درحقیقت تفسیر ہے صراطِ مستقیم کی اور نحویوں کے نزدیک یہ اس سے بدل ہے اور عطفِ بیان بھی ہو سکتی ہے" واللہ واعلم (۲) عطف کے لغوی معنی پھیرنا، موڑنا، مہربانی، کسی کلمہ یا کلام کی طرف پھیرنا (۳) اور وہ حروف جو دو لفظوں یا کلموں کو ملائے۔ علاوہ ازیں مائل ہونا، جھکانا وغیرہ بھی معنی دیتا ہے (۴) اس سے معلوم ہوا کہ "صراطِ مستقیم" دراصل کمال اطاعت کے حامل خاصانِ خدا اور انعام یافتگان کا راستہ ہے، لہٰذا طلب "صراطِ مستقیم" کے منعم حقیقی سے یہ معروضہ کہ "راستہ ان کا جن پر تیرے احسان و انعام ہوئے" تقرب حق کے لئے بندگی کی ترتیب ہے"۔ اس سے تین پہلو واضح ہو جاتے ہیں (۵) "صراطِ مستقیم" یا سیدھے راستے کی ہدایت تمام انعامات و احسانات میں سب سے اعلیٰ نعمت ہے' اسی لئے تو نماز میں ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے ذریعہ اس کی دعا کرائی جاتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ سیدھے راستے کی شناخت سے متعلق وضاحت بھی ہے کہ یہ عباد' زہاد' صالحین اور مقربانِ بارگاہ حق کا راستہ ہے اور تیسرا پہلو یہ کہ سیدھی راہ یا ہدایت صرف بندہ کی اپنی سعی و کوشش سے نہیں ملتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رحمت و عنایت سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی بارگاہ سے انعام پانے والوں مقرب خاص بندے کون ہیں؟ اس بارے میں بھی قرآن حکیم نے تشریح فرما دی ہے۔

"اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اس کے) رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی، تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ یعنی انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی" (۷) اور ان ہی کا راستہ صراط مستقیم ہے۔ مسلمان دن بھر کی پانچ نمازوں میں بار بار اسی تمنا کا اظہار کرتا ہے۔ انعام یافتہ مقربان بارگاہِ قدس سے متعلق اس آیت میں چار جماعتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا ہے "انبیاء سے مقصود خدا کی سچائی کے تمام پیامبر ہیں جو نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے پیدا ہوئے۔ صدیق وہ ہیں جو کامل معنوں میں سچے ہوں۔ شہید کے معنی گواہ کے ہیں یعنی ایسے انسان جو اپنے قول و فعل سے حق و صداقت کی شہادت بلند کرنے والے ہوں اور صالحین سے مراد وہ تمام انسان ہیں جو نیک عمل کی راہ میں استقامت رکھیں اور برائی کی راہوں سے کنارہ کش ہوں۔ سورہ شوریٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خطاب فرماتے ہوئے فرمان حق تعالیٰ ہے "آپ صراط مستقیم ہی کی طرف ہدایت کرنے والے ہو اور صراط مستقیم ہی صراط اللہ ہے" (...) یعنی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی راہِ سعادت۔ کسی خاص مقام تک پہنچنے کے لئے کتنی ہی راہیں نکالی جائیں۔ لیکن سیدھی راہ ایک ہی ہوگی اور اسی پر چل کر ہر مسافر منزل مقصود تک بہ حفاظت و امن پہنچ سکے گا۔ فلاح و سعادت کی راہ کو "سیدھی راہ" سے تعبیر کیا گیا اور سیدھی راہ پر چلنا ایک ایسی بات ہے جس کی طلب بالطبع ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ قرآن حکیم نے ایک خاص طرح کے انسانوں کی طرف اشارہ کر دیا کہ صراط مستقیم ان لوگوں کی راہ ہے" جہاں تک انسان کی فلاح و سعادت کا تعلق ہے صراط مستقیم کی تعبیر ہی ہر لحاظ سے حقیقی اور ضروری تعبیر ہو سکتی ہے (۸) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ خدا تو مجھے ان نبیوں صدیقوں شہیدوں اور صالحین کی راہ پر چلا جن پر تو نے اپنی اطاعت و عبادت کی وجہ سے انعام نازل کیا۔ یہ آیت ٹھیک "ومن یطع اللہ۔ الخ" کی طرح ہے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں اس سے مراد انبیاء ہیں۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "مومن ہیں"۔ وکیع کہتے ہیں مسلمان ہیں۔ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام مراد ہیں۔ حضرت ابن کا قول زیادہ جامع اور ہمہ گیر ہے، واللہ اعلم (۹) "صراط الذین انعمت علیہم" جملہ اولیٰ کی تفسیر ہے کہ صراط مستقیم سے طریق مسلمین مراد ہے، اس سے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں کہ جن امور پر بزرگان دین کا عمل رہا ہو وہ صراط مستقیم میں داخل ہے (۱۰) خالق کونین نے واضح فرما دیا کہ "جن لوگوں پر میں نے انعام و اکرام فرمایا ہے، جس راستہ پر وہ چل رہے ہیں وہی سیدھا راستہ ہے اور

ان لوگوں کے متعلق بھی تصریح فرمادی کہ میرا انعام نبیوں صدیقوں شہیدوں اور نیک بندوں پر ہے۔
اب سوچ لو کہ کس راہ پر ان نفوس قدسیہ کے نقوش پا ہیں۔ حضرات صدیق و فاروق و عثمان و حیدرؓ، صحابہ کرام
اہل بیت عظام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کسی جماعت کے پیشوا ہیں اور اولیاء کرام کا سلسلہ اس وقت
سے لیکر آج تک کس جماعت سے ظاہر ہو رہا ہے"۔ (۱۱)

(۱۔ ترجمہ کرم شاہ ازہری، ۲۔ ابن کثیر، ۳۔ فیروز اللغات، ۴۔ المنجد، ۵۔ نور العرفان، ۶۔ سورہ ۴ آیت ۶۹
۷۔ سورہ ۴۲ آیت ۵۲، ۸۔ ترجمان القرآن جلد اول، ۹۔ ابن کثیر، ۱۰۔ کنز الایمان، ۱۱۔ ضیاء القرآن)

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

نہ ان کا جن پر غصہ ہوا اور نہ گمراہوں کا ۔ (۱)

جب الحمد میں بسم اللہ ... الخ داخل ہو تو اس حالت میں ساتویں آیت "صراط الذین" سے آخر تک ہے اور اگر بسم اللہ کو داخل نہ کیا جائے تو ساتویں آیت "غیر المغضوب تا آخر ہے" (۲) اس کا تعلق بھی صراط المستقیم کے ساتھ ہے کیونکہ "صراط المستقیم" کی پہچان صرف اس کے مثبت پہلو سے واضح نہیں کی گئی بلکہ اس کا ضد مخالف پہلو بھی واضح کر دیا گیا: "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ۝" ان کی راہ نہیں جو مغضوب ہوئے نہ ان کی جو گمراہ ہو کر بھٹک گئے ۔

مغضوب علیہ گروہ منعم علیہ کی بالکل ضد ہے، کیونکہ انعام کی ضد غضب ہے ۔ اور فطرت کائنات کا قانون یہ ہے کہ راست باز انسانوں کے حصہ میں انعام آتا ہے اور نافرمانوں کے حصہ میں غضب ۔ گمراہ وہ ہیں جو راہ حق نہ پا سکیں اور اس کی جستجو میں بھٹک گئے ۔ لہٰذا مغضوب وہ ہوئے جنھوں نے راہ پائی اور اس کی نعمتیں بھی پائیں لیکن پھر اس سے منحرف ہو گئے اور نعمت کی راہ چھوڑ کر محرومی و شقاوت کی راہ اختیار کر لی ۔ گمراہ وہ ہوئے جو راہ ہی نہ پا سکے ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں اور صراط مستقیم کی سعادتوں سے محروم ہیں ۔ پہلے کی محرومی زیادہ مجرمانہ ہے ۔ کیونکہ اس نے نعمت حاصل کر کے رد گردانی کی اسی لئے مغضوب کہلایا ۔ دوسرے کی حالت کو گمراہی سے تعبیر کیا گیا" (۳) خوبی کلام کے اظہار کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ "موصوف کو حذف

کر کے صفت بیان کر دی جاتی ہے"۔ اسی طرح اس آیت میں بھی صفت کا بیان ہے اور موصوف محذوف ہے۔ غیر المغضوب سے مراد غیر صراط المغضوب ہے۔ مضاف الیہ کے ذکر سے کفایت کی گئی اور مضاف بیان نہ کیا گیا۔ اس لئے کہ گذشتہ الفاظ ہی اس پر دلالت کر رہے ہیں (۴)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مغضوب علیہم سے مراد یہودی ہیں اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں" (۵)۔ اہل ایمان کا تو طریقہ یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو اور حق پر عمل بھی ہو۔ یہودیوں کے پاس عمل نہیں اور نصاریٰ کے پاس علم نہیں۔ اسی لئے یہودیوں پر غضب ہوا اور نصرانیوں کو گمراہی ملی۔ اس لئے کہ باوجود علم کے عمل کو چھوڑنا سبب ہے غضب کا اور نصرانی گو ایک چیز کا ارادہ تو کرتے ہیں لیکن اس کے صحیح راستہ کو نہیں پا سکتے اس لئے کہ ان کا طریقہ کار غلط ہے اور وہ اتباعِ حق سے ہٹے ہوئے ہیں۔ یوں تو غضب اور گمراہی ان دونوں جماعتوں کے حصہ میں ہے لیکن یہودی غضب کے حصہ میں پیش پیش ہیں اور نصرانی ضلالت میں بڑھے ہوئے ہیں۔ (۶)

مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ "دنیا میں فلاح و سعادت سے محروم آدمی ہمیشہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ "جاحد و جاہل" جاحد وہ ہوتا ہے جو حقیقت پا لیتا ہے بایں ہمہ اس سے روگرداں کرتا ہے اور جاہل وہ ہوتا ہے جو حقیقت سے ناآشنا ہوتا ہے اور اپنے جہل پہ قانع ہو جاتا ہے لہٰذا "صراط المستقیم" پر چلنے کی طلب گاری کے ساتھ ساتھ محرومی اور شقاوت سے کی۔ ان دونوں صورتوں سے بچنے کی طلب بھی سکھا دی تاکہ فلاح و سعادت کی راہ کا تصور ہر طرح کامل اور لغزشوں سے محفوظ ہو جائے (۷) اس آیت میں ہدایت ہے کہ طالب حق کو دشمنان خدا سے اجتناب اور ان کے راہ و رسم وضع اور اطوار سے پرہیز لازم ہے (۸) مفتی احمد یار خان ؒ نے بیان کیا کہ (یہ بات ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ) مغضوب علیہم سے یہود اور ضالین سے نصرانی مراد ہیں۔

اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے کہ عداوت کا کفر سے محبت کا کفر نرم ہے۔ یہود عداوت پیغمبر کی وجہ سے کافر ہیں اور نصاریٰ محبت پیغمبر میں حد سے بڑھ جانے کے باعث کافر ہوئے۔ مگر رب تبارک وتعالیٰ نے یہود کو مغضوب علیہم فرمایا ہے جب کہ نصرانیوں کو گمراہ۔ لہٰذا مومن کو چاہیے کہ عقائد اعمال سیرت اور صورت ہر چیز میں ان سے علیحدہ رہے۔ نہ ان کی سی صورت بنائے اور نہ ان کی رسمیں اختیار کرے نہ ان کے سے عقیدہ اختیار کرے۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں کفار کا راستہ ہیں" (۹)۔

یہود مغضوب علیہم اور نصاریٰ ضالین ہیں۔ اس کی تائید میں بہت سی روایات و احادیث ہیں جن کے منجملہ یہ مسند احمد ملتی ہے۔ حضرت عدی بن حاتم ؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر نے میری پھوپھی اور چند لوگوں کو گرفتار کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں

پیش کیا تو میری پھوپھی نے کہا کہ میری خبر گیری کرنے والا دور ہے اور میں عمر رسیدہ بڑھیا ہوں جو کسی خدمت کے لائق نہیں۔ آپ مجھ پر احسان کیجئے اور مجھے رہائی دیجئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تیری خبر خبر لینے والا کون ہے؟ اس نے کہا عدی بن حاتم" آپ نے فرمایا "وہی جو خدا اور رسول سے بھاگتا پھرتا ہے؟" پھر آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ جب لوٹ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو آپ کے ساتھ غالباً حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ آپ نے فرمایا "ان سے سواری مانگ لو۔" میری پھوپھی نے ان سے درخواست کی جو منظور ہوئی۔ وہ آزاد ہو کر میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت نے تو تیرے باپ حاتم کی سخاوت کو بھی ماند کر دیا۔ آپ کے پاس جو آتا ہے وہ خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا۔ یہ سن کر میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ چھوٹے بچے اور بوڑھی عورتیں بھی آپ کی خدمت میں آتی جاتی ہیں اور آپ ان سے بھی بے تکلفی کے ساتھ گفتگو فرماتے ہیں۔ اس بات نے مجھے یقین دلایا کہ آپ قیصر و کسریٰ کی طرح نہیں۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا "عدی! لا الہ الا اللہ کہنے سے کیوں بھاگتے ہو؟ کیا خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق ہے۔ اللہ اکبر کہنے سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ کیا اللہ عزوجل سے بھی بڑا کوئی ہے؟" (مجھ پر ان کلمات نے اور آپ کی سادگی اور بے تکلفی نے ایسا اثر کیا) کہ میں فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ جس سے آپ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں اور ضالین سے نصاریٰ ہیں"۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ کے سوال پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تفسیر فرمائی تھی۔ وادی القریٰ میں بنو قین کے ایک شخص کے سوال کے جواب میں آپ نے یہی ارشاد فرمایا (۱۰) یہاں صرف یہود و نصاریٰ مقصود نہیں بلکہ ان کا ذکر بطور مثال فرمایا گیا ہے کیونکہ مرحوم اقوام و ملل میں یہود و نصاریٰ کی مغضوب اور گمراہ ہونے کی واضح اور نمایاں مثالیں ہیں۔ سورہ فاتحہ کی آخری آیت انہی مغضوب اور گمراہوں کے راستوں سے بچانے کی دعا کے ساتھ ہے (۱- ترجمہ محمد کرم شاہ ازہری ۲- جلالین ۳- ترجمان القرآن سورۃ فاتحہ ۴- ابن کثیر ۵- ترمذی شریف ۶- ابن کثیر ۷- ترجمان القرآن ایضاً ۸- کنز الایمان ۹- نور العرفان ۱۰- ابن کثیر)